OPEN ACCESS
MA'ARIF-E-ISLAMI (AIOU)
ISSN (Print): 1992-8556
ISSN (Online): 2664-0171
https://mei.aiou.edu.pk

شریعت اسلامیہ میں رھن کے احکام: ایک تحقیقی مطالعہ

(Rules of Mortgage in Islamic Law: A research discourse)

ندیم مجید
لیکچرار سرور شہید (نشان حیدر) گورنمنٹ کالج گوجر خان
ڈاکٹر ہدایت خان
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ شریعۃ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

ABSTRACT

The discussion in this article is about the Basic commandments and conditions of mortgage. From a common man to the big companies have been forced to give and take money as debt but paying the debt back has always been a problem. Mortgage is one of the solutions of this problem that Islam has already offered and by which we can make the pay back of debt certain if we apply this mode of transaction. However, it is necessary to understand its principles as many institutions use mortgage in order to avoid future legal litigations. Therefore, this article covers its literal and technical meanings, parts of the mortgage contract, its legal status in Islamic Law, stipulations and conditions of mortgage, possession of mortgage, rules regarding common property, ownership of mortgage, payment of mortgage in case of loss, floating mortgage and its kinds and physical possession and constructive possession.

Key Words: Mortgage, Legal status, Parts, Condition, Possession, Common Property, Ownership, Floating.

رہن ایک عقد ہے جو قرض دینے والا اپنے قرض کی واپسی یقینی بنانے کے لیے کرتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ قرض وقت پر واپس ممکن ہو دوسرا یہ کہ اس کی رقم محفوظ رہے۔ قرض ایک معاشرتی ضرورت ہے جس کے بغیر انسانی معاشروں کا نظام نہیں چل سکتا۔ انسانی معاشروں میں قرض کا لین دین صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ بلکہ جدید دور میں قرض کا لین دین وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے جس کے لیے کئی ادارے اور بنک وجود میں آچکے ہیں۔ آج شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جس کا قرض سے واسطہ نہ پڑتا ہو۔

قرض کی واپسی کو یقینی بنانا انسانوں کے لیے ہمیشہ ایک مسئلہ رہا ہے۔ لیکن اسلام کے بابرکت اور عادلانہ نظام زندگی میں اس کے لیے کئی طریقے پیش کیے گئے ہیں جن میں سے کسی ایک کو بھی اختیار کر کے اس مسئلے کا حل نکالا جا سکتا ہے۔ ان طریقوں میں سے ایک رہن ہے۔

رہن کا معنی و مفہوم

لغت میں رہن کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: (اما الثبوت والدوام، و اما الحبس واللزوم)

۱۔ ثبوت و دوام

۲۔ روکنا، گروی رکھنا[۱]

پہلے معنی کی مثال جیسے کہا جاتا ہے:

نعمة الله راهنة[۲] (اللہ کی نعمت ہمیشہ رہنے والی ہے)

دوسرے معنی کی مثال قرآن مجید میں یوں آئی ہے:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ[۳] (ہر متنفس اپنے کسب کے بدلے رہن ہے)

ان کے علاوہ کبھی رہن کے لفظ سے "شیئ مرھون" (رہن رکھی گئی چیز) بھی مراد لی جاتی ہے۔[۴]

گویا اس صورت میں" مصدر مبنی للمفعول" ہوتا ہے۔"مصدر مبنی للمفعول" ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مصدر مفعول کے معنی میں استعمال ہو اور یہ طریقہ لغت عرب میں عام استعمال ہوتا ہے۔ جیسے حماسی کا یہ شعر: هو ای مع الركب اليمانين مصعدجنيب وجثمانی بمكة موثق۔ یہاں پر ھوای بمعنی مھوی استعمال ہوا ہے، ھوا کے معنی ہیں کسی چیز کو چاہنا، جبکہ یہاں یہ محبوب کے معنی میں آیا ہے جو کہ اس مصدر کا مفعول ہے۔[۵]

اصطلاحی معنی

علماء نے رہن کی تعریف مختلف انداز سے کی ہے۔ مثلاً علامہ زیلعیؒ نے رہن کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

هو حبس بشیء بحق یمكن استیفاءه منه۔[۶]

(کسی چیز کو ایسے حق کے بدلے روکنا جسے اس کے ذریعے وصول کرنا ممکن ہو۔)

علامہ سرخسیؒ نے رہن کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

الرَّهْنَ عَقْدُ وَثِيقَةٍ بِمَالٍ مَشْرُوعٍ لِلتَّوَثُّقِ فِي جَانِبِ الِاسْتِيفَاءِ۔[۷]

(کسی جائز مال کی وصولی کے لیے وصولی کی جانب میں اعتماد حاصل کرنے کے لیے ہونے والے عقد وثیقہ کا نام رہن ہے۔)

عقد رہن کے ارکان

رہن ایک عقد ہے جو قرض کے واپسی کے لیے مال سے یا کسی چیز کی ضمانت سے یقینی بنایا جاتا ہے۔ لہٰذا عقد رہن کے چار ارکان میدرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ راہن، رہن رکھنے والا۔

۲۔ مرتہن، جس کے پاس رہن رکھا جاتا ہے۔

۳۔ رہن یا مرہون، رہن رکھی گئی چیز۔

۴۔ مرہون بہ، جس کے بدلے میں کسی چیز کو رہن رکھا جاتا ہے یعنی قرض۔

رہن کی شرعی حیثیت

عقدِ رہن قرآن وسنت کی رو سے بالاجماع جائز ہے۔ قرآن وسنت میں رہن کے جائز ہونے کے حوالے سے واضح رہنمائی موجود ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن كُنتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَن يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾[۸]

(اگر تم سفر کی حالت میں ہو اور دستاویز لکھنے کے لیے کوئی کاتب نہ ملے، رہن بالقبض پر معاملہ کرو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے، تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے، اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے اور اللہ، اپنے رب سے ڈرے۔ اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ۔ جو شہادت چھپاتا ہے، اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔)

اسی طرح حدیث مبارکہ میں آتا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں:

(تُوُفِّيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَدِرْعُهُ مَرْهُونَةٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ بِثَلَاثِينَ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ)[۹]

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو میں گروی تھی۔)

ایک دوسری حدیث میں الفاظ اس طرح آتے ہیں:

(عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اشْتَرَى مِنْ يَهُودِيٍّ طَعَامًا إِلَى أَجَلٍ وَرَهَنَهُ دِرْعًا لَهُ مِنْ حَدِيدٍ)[۱۰]

(سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک یہودی سے ایک مدت معینہ کے وعدے پر غلہ (ادھار پر) خریدا اور اس کے پاس اپنی لوہے کی ایک زرہ گروی رکھ دی۔)

سفر و حضر میں رہن کے احکام

درج بالا آیت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید رہن رکھنا صرف سفر میں جائز ہے اور حضر میں اس کی اجازت نہیں ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے عمل سے حضر میں رہن رکھنا بھی جائز ہے۔ امام قرطبیؒ اس بات کو یوں بیان کرتے کہ: " سفر میں گروی رکھنا نص قرآن سے ثابت ہے اور حضر میں گروی رکھنا سنت رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ " "آیت میں چونکہ رہن رکھنا کسی عذر کی وجہ سے بیان ہوا ہے، تو حقیقت یہ ہے کہ عذر تو حضر میں بھی پیش آسکتا ہے۔ یا یہ کہ قرض دینے والا قرض لکھنے کی بجائے رہن کا مطالبہ کر دے، تب بھی رہن رکھنا جائز ہے۔

امام جصاص لکھتے ہیں کہ فقہائے امصار اور عام سلف صالحین کے ہاں حالت قیام میں اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کا عمل موجود ہے کہ آپ ﷺ نے جو کے عوض اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی رکھی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ (تم رسول ﷺ کی پیروی کرو)۔ اور اللہ

تعالیٰ نے رہن کے ذکر کو حالت سفر کے ساتھ اس لیے خاص کر دیا ہے کہ سفر کے اندر عام حالات میں کاتب اور گواہ دستیاب نہیں ہوتے۔[۱۲]

فقہاء کا اس پہ اتفاق ہے کہ رہن سفر و حضر میں جائز ہے۔[۱۳]

رہن کی شرائط

رہن کی اہم شرائط حسب ذیل ہیں :

ا۔ اہلیت

احناف کے نزدیک راہن اور مرتہن کا عاقل ہونا شرط ہے۔ پاگل، ناسمجھ بچے اور مجنون کا رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ بالغ ہونا شرط نہیں ہے۔ لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ جس بچے کو تجارت کی اجازت ہے اس کا رہن رکھنا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ تجارت کے توابع میں سے ہے۔ البتہ سمجھدار بچے اور بے وقوف آدمی کا رہن سرپرست کی اجازت پر موقوف رہے گا۔[۱۴]

۲۔ رہن کو کسی شرط سے معلق کرنا

احناف کہتے ہیں کہ رہن کو کسی شرط سے معلق نہ کیا جائے اور نہ اس کی اضافت وقت کی طرف کی جائے۔ اگر کوئی فاسد شرط طے کر دی گئی تو رہن صحیح ہو گا اور شرط باطل ہو گی۔ شوافع کے ہاں رہن میں شرائط تین قسم کی ہیں :

ا۔ ایسی شرط لگائی جائے جس کا رہن تقاضا کرتا ہے، مثلاً جب قرض خواہ زیادہ ہوں تو مرتہن کو ان پر مقدم کرے تاکہ وہ اپنا دین اس سے وصول کر سکے۔ یا ایسی شرط لگانا جو عقد کے لیے مفید ہو اس پر جہالت کا اثر بھی نہ ہو، مثلاً گواہ بنانا۔

۲۔ ایسی شرط لگانا جس میں نہ کوئی مصلحت ہو نہ کوئی فائدہ۔ جیسے کہا جائے کہ مرہون جانور فلاں چیز نہ کھائے، ایسی شرط باطل ہو گی اور عقد صحیح ہو گا۔

۳۔ ایسی شرط لگانا جو عاقدین کو نقصان پہنچائے یا اس میں جہالت ہو۔ مثلاً یہ شرط لگانا کہ دین کی مدت پوری ہونے کے بعد یا ایک مہینہ کے بعد تک قرض کی ادائیگی کے لیے اسے فروخت نہ کیا جائے۔ یا ایسی شرط لگانا جو راہن کے لیے نقصان دہ ہو اور مرتہن کا اس میں فائدہ ہو، جیسے مدت مقرر کیے بغیر منفعت کو مرتہن کے لیے شرط قرار دینا اور اس پر کوئی اجرت وغیرہ بھی نہ لینا یا رہن سے حاصل ہونے والی زائد اشیاء (اون، اولاد وغیرہ) کو شرط ٹھہرانا۔ جب شرط فاسد ہو گی تو عقد بھی فاسد ہو گا۔[۱۵]

مالکیہ اور حنابلہ کے ہاں شرط کی دو قسمیں ہیں : صحیح اور فاسد۔ جو شرط مقتضائے عقد کے منافی نہ ہو اور نہ ہی حرام کی طرف لے جانے والی ہو تو ایسی شرط صحیح ہے، لیکن جو مقتضائے عقد کے منافی ہو وہ شرط فاسد ہے اور مالکیہ کے نزدیک رہن کو باطل کرنے والی ہے البتہ حنابلہ کے ہاں اس بارے میں مختلف آراء ہیں۔ جیسے یہ شرط لگانا کہ وہ راہن کے قبضہ میں رہے اور مرتہن اس پر قبضہ نہ کرے یا دین کی مدت پوری ہونے پر دین کے بدلے مرہون کو فروخت نہ کیا جائے۔ رہ گئی وہ شرط جو حرام اور ممنوع ہے تو وہ عقد کو فسخ کرنے والی ہے۔ مثلاً اگر ایک شخص یہ شرط

رکھے کہ اگر وہ اس کا حق مقررہ مدت پر ادا کر دے تو ٹھیک ورنہ رہن مرتہن کا ہو گا، تو یہ شرط عقد رہن کو فسخ کرنے والی ہے۔[16]

۳۔ قرض کی وصولی ممکن ہو

جس چیز کو رہن رکھا ہے وہ قابل فروخت ہو اور اس سے قرض کی وصولی ممکن ہو۔ اگر اس سے وصولی ممکن نہ ہو تو رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔[17]

۴۔ مرہون چیز کا معلوم ہونا

رہن رکھی جانے والی چیز کے بارے میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ معلوم و متعین ہو، مجہول نہ ہو۔ البتہ اتنی جہالت قابل برداشت ہے جو باعث نزاع نہ ہو یا اس کی وجہ سے عادۃً نزاع نہ ہوتا ہو۔[18] مجہول چیز کو رہن رکھنے کے جائز نہ ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

> وَلَا يَصِحُّ رَهْنُ الْمَجْهُولِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ بَيْعُهُ--- وَفِي الْجُمْلَةِ أَنَّهُ يُعْتَبَرُ لِلْعِلْمِ فِي الرَّهْنِ مَا يُعْتَبَرُ فِي الْبَيْعِ۔[19]
>
> (مجہول چیز کو رھن رکھنا جائز نہیں کیونکہ اس کی بیع جائز نہیں۔۔۔ فی الجملہ رہن کے اندر اتنا علم ہونا ضروری ہے جتنا بیع کے اندر معتبر ہے۔)

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اس میں تین شرطیں ہیں:

۱۔ دین ثابت اور واجب ہو جیسے قرض وغیرہ۔

۲۔ دین فی الحال لازم ہو یا مال کے اعتبار سے لازم ہو۔

۳۔ عاقدین کو دین کی مقدار اور صفت وغیرہ معلوم ہو۔[20]

۵۔ متقوم اور فارغ ہونا:

متقوم ہونے سے مراد یہ ہے کہ شرعاً اس سے نفع اٹھانا اس طور پر مباح ہو کہ اس سے دین کی ادائیگی ممکن ہو۔ اس شرط کی وجہ سے شراب اور خنزیر وغیرہ کو رہن رکھنا جائز نہیں۔ کیونکہ رہن دین کی ادائیگی کے لیے ہے اور ایک مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ شراب وغیرہ سے رہن ادا کرے یا وصول کرے۔[21]

فارغ ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ راہن کے حق کے ساتھ مشغول نہ ہو۔ لہٰذا بغیر پھل کے صرف کھجور کے درخت کو رہن رکھنا صحیح نہیں کیونکہ وہ پھلوں کے ساتھ مشغول ہے۔ اسی طرح اگی ہوئی کھیت والی زمین کو بغیر کھیتی کے رہن رکھنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے برعکس یعنی پھلوں کو درخت پر بغیر درخت کے اور کھیتی کو بغیر زمین کے رہن رکھنا بھی جائز نہیں۔[22]

۶۔ راہن کی ملکیت میں ہونا

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک مرہون چیز راہن کی ملکیت میں ہونی چاہیے، کسی ایسی چیز کو رہن رکھنا جو کسی اور کی ملکیت ہو درست نہیں ہے۔ البتہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک مرہون چیز کا مالک ہونا رہن کے جواز کے لیے شرط ہے جبکہ

حنفیہؒ کے نزدیک رہن کے نافذ ہونے کے لیے شرط ہے۔یعنی شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں غیر مملوک چیز کو مالک کی اجازت کے بغیر رہن رکھنا جائز نہیں ہے جبکہ حنفیہؒ کا موقف یہ ہے کہ اگر راہن کو دوسرے پر شرعی ولایت حاصل ہو تو اس کی کوئی چیز بھی رہن رکھ سکتا ہے۔اگر ولایت حاصل نہ ہو تو پھر عقد رہن کا نافذ ہونا مالک کی اجازت پر موقوف رہے گا اور مالک اجازت دے دے تو نافذ ہو جائے گا ورنہ نہیں۔[۲۳]

۷۔عقد کے وقت موجود اور مقدور التسلیم ہونا

رہن رکھی جانے والی چیز کا عقد رہن کے وقت موجود ہونا ضروری ہے۔ایسی کوئی چیز جو ابھی وجود میں ہی نہ آئی ہو بلکہ معدوم ہو یا اس کے پائے جانے کے بارے میں شک ہو تو اس کو رہن رکھنا جائز نہیں۔جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ "میری گائے اس سال جو بچہ دے گی میں اس کو رہن رکھتا ہوں" یا یوں کہے "میرے باغ میں اس موسم میں جو پھل آئے گا میں وہ رہن رکھتا ہوں" تو یہ صورتیں شرعاً جائز نہیں ہیں۔

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک ایک اہم شرط یہ ہے کہ رہن رکھی گئی چیز کو راہن مرتہن کے حوالے کرنے پر قادر بھی ہو۔اگر وہ اسے مرتہن کے حوالے کرنے پر قادر نہ ہو تو اسے رہن رکھنا جائز نہیں جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کو رہن رکھنا یا بھگوڑے غلام کو رہن رکھنا وغیرہ۔البتہ مالکیہ کے نزدیک ان کا رہن جائز ہے۔[۲۴]

۸۔مرتہن کا رہن پر قبضہ ہونا

آئمہ اربعہ کے نزدیک یہ ایک لازمی شرط ہے۔البتہ اس حوالے سے ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا اس شرط کے نہ پائے جانے سے کیا عقد صحیح اور لازم نہ ہو گا یا عقد تو صحیح اور لازم ہو جائے گا لیکن تام نہ ہو گا۔مالکیہ کے نزدیک قبضہ عقد رہن کے تمام ہونے کے لیے شرط ہے۔ان کے نزدیک محض ایجاب و قبول سے عقد لازم ہو گیا، لہٰذا ایجاب و قبول کے بعد اگر راہن مرہونہ چیز حوالہ کرنے سے انکار کر دے تو اسے اس پر مجبور بھی کیا جا سکتا ہے[۲۵]۔

آئمہ ثلاثہ کے نزدیک قبضہ عقد رہن کے صحیح اور لازم ہونے کی شرط ہے۔ان کے نزدیک جب تک قبضہ نہ ہو جائے عقد رہن لازم نہیں ہوتا۔یعنی محض ایجاب ہونے کے بعد راہن کو مجبور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مرہونہ چیز ضرور بالضرور مرتہن کے حوالے کرے بلکہ راہن مرتہن کے قبضہ کرنے سے پہلے پہلے رجوع کر کے رہن رکھنے سے انکار کر سکتا ہے کیونکہ قبضے سے پہلے یہ عقد راہن کے حق میں لازم نہیں ہوتا۔لیکن اگر مرتہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو اب اکیلا راہن اس عقد کو فسخ کر کے مرہونہ شئی واپس نہیں لے سکتا بلکہ دوسرے فریق کی رضامندی بھی ضروری ہے۔اس بات کی وضاحت علامہ شیرازی یوں کرتے ہیں:

> لم يلزم من غير قبض كالهبة فإن كان المرهون في يد الراهن لم يجز للمرتهن قبضه إلا بإذن الراهن لأن للراهن أن يفسخه قبل القبض فلا يملك المرتهن إسقاط حقه من غير إذنه۔[۲۶]
>
> (ہبہ کی طرح (رہن بھی) قبضہ کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔چنانچہ اگر مرہون راہن کے ہاتھ میں ہو تو مرتہن کے لیے راہن کی اجازت کے بغیر اس پر قبضہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ قبضے سے پہلے راہن اس کو فسخ کر سکتا ہے۔لہٰذا مرتہن اس کی اجازت کے بغیر اس کے حق کو ساقط نہیں کر سکتا۔)

تفسیرات احمدیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿مَّقْبُوضَةٌ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رہن میں قبضہ شرط ہے۔ ایسا نہیں ہے کے رہن صرف ایجاب و قبول سے مکمل ہو جاتا ہے اور اس کے لیے قبضہ شرط نہیں ہے جیسا کہ امام مالکؒ کا تصور ہے۔ رہن قبضہ کے ساتھ ہی واجب ہو گا۔[۲۷]

تفسیر قرطبیؒ میں ہے کہ جب کوئی قولاً گروی رکھے اور فعلاً اس پر قبضہ نہ کرے تو وہ حکماً ثابت نہ ہو گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾۔ اسی لیے امام شافعی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس رہن کا حکم ارشاد فرمایا ہے جو موصوف بالقبض ہو اور جب صفت نہ پائی جائے تو پھر ضروری ہے کہ حکم بھی نہ پایا جائے۔ اور مالکیہ کا کہنا ہے کہ رہن عقد کے ساتھ لازم ہو جاتی ہے اور راہن کو رہن دینے پر مجبور کیا جائے گا تاکہ مرتہن اسے خاص کر سکے۔ پس ان دونوں آئمہ کے نزدیک قبضہ اس کے صحیح ہونے اور لازم ہونے کے لیے شرط ہے۔[۲۸]

امام جصاص لکھتے ہیں کہ مرتہن کو اپنے دین سے متعلق بھروسہ اور اطمینان رہن لے کر ہی ہوتا ہے۔ اگر رہن میں قبضہ کی شرط نہ ہوتی تو مرتہن کا بھروسہ اور اطمینان باطل ہو جاتا اور یہ رہن راہن کے دوسرے اموال اور چیزوں کی طرح ہو جاتا جن میں مرتہن کے لیے بھروسے اور اطمینان کا کوئی سامان نہیں ہوتا۔ اور رہن کو بھروسے کا ذریعہ اس لیے بھی بنایا گیا ہے تاکہ وہ مرتہن کے ہاتھوں میں اس کے دین کے بدلے میں محبوس رہے اور راہن کی موت یا مفلس ہونے کی صورت میں مرتہن دوسرے قرض خواہوں کے مقابلے میں اس کا سب سے بڑھ کر مستحق ہو۔ اگر رہن اس کے ہاتھ میں نہیں ہو گا تو یہ بے معنی اور لغو چیز ہو گی۔[۲۹]

اس بات پر اجماع ہے کہ قبضہ مرتہن خود کرے یا اس کا وکیل کرے، ہر دو صورتوں میں جائز ہے۔

عادل آدمی کا قبضہ

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ جمہور کے نزدیک عادل آدمی کا قبضہ کرنا بھی درست ہے، کیونکہ عادل آدمی صاحب حق کا نائب ہے اور وہ قائم مقام وکیل کے ہے۔ اگر رہن کو عادل آدمی کے قبضہ میں رکھ دیا جائے اور وہ ضائع ہو جائے تو نہ مرتہن ضامن ہو گا اور نہ وہ جس کے قبضہ میں اسے رکھا گیا، کیونکہ مرتہن کے قبضہ میں تو کوئی شے نہیں آئی جس کا وہ ضامن ہو گا اور جس کے قبضہ میں وہ شے دی گئی ہے وہ امین ہے اور امین ضامن نہیں ہوتا۔[۳۰]

امام جصاص کہتے ہیں کہ آیت میں مرتہن کے قبضے اور عادل آدمی کے قبضے کے درمیان کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ آیت کا عموم دونوں کے قبضے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ دراصل عادل آدمی قبضے کے معاملے میں مرتہن کا وکیل اور نمائندہ ہوتا ہے اور عادل آدمی کا قبضہ حقیقتاً مرتہن ہی کا قبضہ ہوتا ہے۔ مرتہن کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس سے رہن لے کر اسے اپنے قبضے میں کر لے اور عادل آدمی اسے ایسا کرنے سے روک نہیں سکتا۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک عادل آدمی کے پاس رہن رکھوانے سے اگر نقصان ہو جائے تو مرتہن تاوان بھرے گا۔ جبکہ امام مالک کے نزدیک اگر دونوں نے مل کر اسے کسی عادل آدمی کے پاس رکھوا دیا تو نقصان کی صورت میں راہن ذمہ دار ہو گا۔[۳۱]

قبضے کی شرائط

عقد رہن کے اندر قبضے کے صحیح اور معتبر قرار پانے کے لیے درج ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ قبضہ راہن کی اجازت سے ہو۔
۲۔ عاقدین قبضے کے وقت عقد کرنے کے اہل ہوں۔
۳۔ قبضہ کے اندر دوام ہو۔
ہر ایک کی مختصر تشریح درج ذیل ہے:

قبضہ راہن کی اجازت سے ہو

آئمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقد رہن میں قبضے کے صحیح اور معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ راہن کی اجازت سے ہو[۳۲]۔ راہن کی اجازت سے قبضہ ہونے کے بعد عقد رہن لازم ہو جائے گا اور اسے مرہون چیز واپس لینے کا حق نہ رہے گا۔ لیکن اگر مرتہن نے راہن کی اجازت کے بغیر از خود اس پر قبضہ کر لیا ہو تو یہ قبضہ شرعاً معتبر نہ ہوگا۔ اور اگر راہن نے قبضہ کرنے کی اجازت دے دی لیکن مرتہن کے قبضہ کرنے سے پہلے راہن نے رجوع کر لیا تو اجازت ختم ہو جائے گی۔ لیکن اگر اجازت ملنے کے بعد مرتہن نے قبضہ کر لیا تو اب راہن کو رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اب اگر راہن رجوع کر بھی لے تو مرتہن کا قبضہ بدستور باقی رہے گا۔[۳۳]

عاقدین قبضے کے وقت عقد کرنے کے اہل ہوں

آئمہ اربعہ کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ راہن اور مرتہن دونوں عاقل، بالغ ہوں یا سمجھ دار بچے ہوں۔ ان میں سے کوئی بے سمجھ بچہ یا مجنون نہ ہو۔ البتہ حنفیہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر عقد کے بعد اور قبضے سے پہلے کوئی فریق عقد کا اہل نہ رہے یا فوت ہو جائے تو عقد رہن باطل ہو جائے گا۔[۳۴] جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک عقد رہن باطل نہیں ہوگا بلکہ راہن کا ولی اس کا قائم مقام ہو جائے گا جیسے کسی کے انتقال کے وقت اس کا وارث قائم مقام ہو جاتا ہے۔ لہٰذا مرتہن کو قبضہ کرنے کی اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار ولی کے پاس چلا جائے گا۔ اسی طرح اگر مرتہن کے اندر اہلیت ختم ہو گئی تو اس کے اختیارات اس کے ولی کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔

علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

فَإِنْ جُنَّ أَحَدُ الْمُتَرَاهِنَيْنِ قَبْلَ الْقَبْضِ، أَوْ مَاتَ، لَمْ يَبْطُلْ الرَّهْنُ ـــــ وَيَقُومُ وَلِيُّ الْمَجْنُونِ مَقَامَهُ ـــــ فِي رِوَايَةِ عَلِيِّ بْنِ سَعِيدٍ. وَهُوَ مَذْهَبُ الشَّافِعِيِّ[۳۵]

(اگر عقد رہن کے بعد قبضے سے پہلے عاقدین میں سے کوئی ایک مجنون ہو جائے یا فوت ہو جائے تو عقد رہن باطل نہیں ہوگا۔۔۔ بلکہ ان کا ولی ان کے قائم مقام ہوگا۔۔۔ علی بن سعید کی روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کی اس پر تصریح موجود ہے اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔)

اس مسئلے میں مالکیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر راہن عقد کرنے کا اہل نہ رہے تو یہ عقد باطل ہو جائے گا لیکن اگر مرتہن عقد کا اہل نہ رہے تو عقد باطل نہ ہوگا۔ اس لیے کہ عقد رہن مرتہن کے قول کی وجہ سے مکمل ہوا ہے، لہٰذا مرتہن کے نااہل ہونے سے عقد کو باطل قرار دینے میں اس کا نقصان ہے۔ لہٰذا مرتہن کے نااہل ہونے کی صورت میں اس کے ولی کو اس کا قائم مقام قرار دیا جائے گا اور راہن کے نااہل ہونے کی صورت میں عقد باطل ہونے کی وجہ

یہ ہے کہ محض راہن کے کہنے سے رہن کا عقد پورا نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ اس کے نا اہل ہونے سے عقد کو باطل قرار دینے میں اس کا نقصان بھی نہیں ہے۔[۳۶]

قبضہ کے اندر دوام ہو

اس شرط کے بارے میں آئمہ کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں قبضے کا دائمی ہونا عقد رہن کی شرائط میں سے نہیں ہے۔ بلکہ مرتہن جب ایک مرتبہ قبضہ کرلیتا ہے تو عقد تمام ہو جاتا ہے بعد میں وہ کسی بھی وجہ سے راہن کے پاس چلی جائے تو بھی عقد باقی رہتا ہے۔ راہن اس کو اس وقت تک عقد رہن سے نہیں نکال سکتا جب تک کہ قرض ادا نہ کرے۔ چنانچہ امام شافعی لکھتے ہیں:

إذَا قَبَضَ الرَّهْنَ مَرَّةً وَاحِدَةً فَقَدْ تَمَّ وَصَارَ الْمُرْتَهِنُ أَوْلَى بِهِ من غُرَمَاءِ الرَّاهِنِ ولم يَكُنْ لِلرَّاهِنِ إخْرَاجُهُ من الرَّهْنِ حتى يَبْرَأَ مِمَّا في الرَّهْنِ من الْحَقِّ كما يَكُونُ الْمَبِيعُ مَضْمُونًا من الْبَائِعِ فإذا قَبَضَهُ الْمُشْتَرِي مَرَّةً صَارَ في ضَمَانِهِ فَإِنْ رَدَّهُ إلَى الْبَائِعِ بِإِجَارَةٍ أو وَدِيعَةٍ فَهُوَ من مَالِ الْمُبْتَاعِ وَلَا يَنْفَسِخُ ضَمَانُهُ بِالْبَيْعِ وَكَمَا تَكُونُ الْهِبَاتُ وما في مَعْنَاهَا غير تَامَّةٍ فإذا قَبَضَهَا الْمَوْهُوبُ له مَرَّةً ثُمَّ أَعَارَهَا إلَى الْوَاهِبِ أو أَكْرَاهَا منه أو من غَيْرِهِ لم يُخْرِجْهَا من الْهِبَةِ۔[۳۷]

(جب مرہونہ چیز پر ایک مرتبہ قبضہ ہو جائے تو عقد رہن مکمل ہو جاتا ہے۔ اب راہن اسے عقد رہن سے اس وقت تک نہیں نکال سکتا جب تک کہ اپنے اوپر واجب ہونے والے حق کو جس کی وجہ سے رہن رکھا گیا، ادا نہ کرے جیسے بیع کے اندر مبیع بائع کی ضمان میں ہوتی ہے۔ لیکن جب خریدار ایک مرتبہ اس پر قبضہ کرلیتا ہے تو اب یہ خریدار کے ضمان میں آجاتی ہے۔ لہٰذا اگر خریدار بائع کو عقد اجارہ کی وجہ سے یا امانت کے طور پر مبیع لوٹا دے تو بھی وہ خریدار کی چیز سمجھی جائے گی اور پہلے سے ہونے والے عقد بیع کی وجہ سے خریدار کا ضمان ختم نہ ہوگا۔ اور جیسے ہبہ اور اس جیسے دوسرے عقود کے اندر کہ موہوب لہ ہبہ پر قبضہ کرلے تو پھر اگر وہ عاریت پر، کرایہ پر یا کسی اور عقد کی وجہ سے واہب کو واپس لوٹا دے تو اس سے عقد ہبہ ختم نہیں ہوتا (لہٰذا یہاں بھی عقد رہن ختم نہ ہوگا)۔

آئمہ ثلاثہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقد رہن کے لازم ہونے اور ضمان میں رہنے کے لیے ضروری ہے کہ رہن مرتہن کے قبضہ میں ہو، لیکن اگر مرہون چیز کسی وجہ سے مرتہن کے قبضے سے نکل کر راہن کے قبضے میں آجائے تو مالکیہ کا کہنا ہے کہ عقد رہن ختم ہو جائے گا اور مرہونہ چیز عقد رہن سے نکل جائے گی۔ چنانچہ علامہ قرافی لکھتے ہیں:

إِذَا قَبَضَ الرَّهْنَ ثُمَّ أَوْدَعَهُ الرَّاهِنُ أَوْ أَجَّرَهُ إِيَّاهُ أَوْ رَدَّهُ إِلَيْهِ بِأَيِّ وَجْهٍ كَانَ خَرَجَ مِنَ الرَّهْنِ۔[۳۸]

(مرتہن نے رہن پر قبضہ کرنے کے بعد اسے اگر راہن کو بطور امانت یا اجرت پر دیا یا کسی اور وجہ سے اسے لوٹا دیا تو وہ رہن عقد رہن سے نکل جائے گا۔)

حنفیہؒ کے نزدیک بھی عقد رہن کے صحیح ہونے کے لیے قبضے کے اندر دوام ہونا ضروری ہے۔[39] لیکن عاریت کے معاملے میں حنفیہؒ کی رائے مالکیہ سے مختلف ہے۔یعنی اگر مرتہن نے راہن کو عاریتاً مرہونہ چیز دے دی تو اس سے عقد رہن ختم نہ ہوگا البتہ وہ چیز مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گی، پھر جب مرتہن دوبارہ اس پر قبضہ کرے گا تو ضمان بھی لوٹ آئے گا۔[40] چنانچہ علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

وإذا أعار المرتهن الرهن للراهن ليخدمه أو ليعمل له عملا فقبضه خرج من ضمان المرتهن" لمنافاة بين يد العارية ويد الرهن "فإن هلك في يد الراهن هلك بغير شيء" لفوات القبض المضمون "وللمرتهن أن يسترجعه إلى يده"؛ لأن عقد الرهن باق إلا في حكم الضمان في الحال۔[41]

(اگر مرتہن نے راہن کو مرہونہ چیز عاریت کے طور پر دی تاکہ راہن اس سے خدمت لے یا کوئی اور کام لے، راہن نے اس پر قبضہ کر لیا تو وہ مرتہن کے ضمان سے نکل جائے گی۔ کیونکہ عاریت اور رہن کے قبضے میں تضاد ہے (عاریت کا قبضہ "قبضہ امانت" اور رہن کا قبضہ "قبضہ ضمان" کہلاتا ہے۔) پس اگر وہ راہن کے ہاتھ سے ہلاک ہوگئی تو مرتہن پر اس کا ضمان نہ آئے گا کیونکہ مرتہن کا قبضہ ضمان موجود نہیں۔ البتہ مرتہن کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مرہون چیز واپس طلب کرے کیونکہ عقد رہن باقی ہے ۔فی الحال صرف مرتہن کی ضمانت ختم ہوئی ہے۔

حنفیہؒ کے ہاں عاریت کی طرح امانت کے طور پر بھی مرہونہ چیز راہن کے پاس رکھوانا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں بھی مرتہن کا حکمی قبضہ باقی رہتا ہے۔[42] البتہ اجارہ کے طور پر دینا جائز نہیں۔ کیونکہ عقد اجارہ عقد لازم ہے، جس کے وجود میں آنے کے بعد عقد رہن باقی نہیں رہتا۔[43]

حنابلہ کے ہاں عقد رہن کے لازم ہونے کے لیے دائمی قبضہ ضروری ہے، نفس عقد کے لیے ضروری نہیں۔ لہٰذا اگر مرہونہ چیز مرتہن کے قبضے سے نکل جائے تو صرف عقد کا لزوم ختم ہوگا نفس عقد باقی رہے گا۔اور جب دوبارہ مرتہن کے قبضے میں آئے گی تو عقد کا لزوم بھی واپس لوٹ آئے گا۔اس حوالے سے علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:

وَاسْتِدَامَةُ الْقَبْضِ شَرْطٌ لِلُزُومِ الرَّهْنِ. فَإِذَا أَخْرَجَهُ الْمُرْتَهِنُ عَنْ يَدِهِ بِاخْتِيَارِهِ، زَالَ لُزُومُ الرَّهْنِ، وَبَقِيَ الْعَقْدُ، كَأَنَّهُ لَمْ يُوجَدْ فِيهِ قَبْضٌ، سَوَاءٌ أَخْرَجَهُ بِإِجَارَةٍ أَوْ إعَارَةٍ أَوْ إيدَاعٍ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ. فَإِذَا عَادَ فَرَدَّهُ إلَيْهِ، عَادَ اللُّزُومُ بِحُكْمِ الْعَقْدِ السَّابِقِ۔[44]

(قبضے کا دوام عقد رہن کے لزوم کی شرط ہے، پس جب مرتہن مرہونہ چیز کو اپنے اختیار سے اپنے قبضے سے نکال دے تو لزوم ختم ہو جائے گا لیکن عقد باقی رہے گا۔ گویا یہ ایسا عقد ہوگا جس میں قبضہ نہیں پایا گیا۔ عام ہے کہ مرتہن اسے اجارہ کے ذریعے نکالے یا اعارہ کے ذریعے یا امانت کے طور پر یا کسی اور طریقے سے، پس جب قبضہ لوٹ آئے گا اور مرتہن کو رہن واپس کر دیا جائے گا تو گزشتہ عقد کی وجہ سے لزوم واپس لوٹ آئے گا۔)

اس مسئلہ کو واضح کرتے ہوئے امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے (یعنی مالکیہ) کے نزدیک رہن جب راہن کی طرف مرتہن کے اختیار سے نکل جائے تو رہن باطل ہو جائے گی۔ مزید لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا بھی یہی موقف ہے مگر انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر وہ عاریۃً یا امانت کے طور پر لوٹے تو پھر رہن باطل نہ ہو گی۔ مگر امام شافعی کا کہنا ہے کہ رہن کا راہن کے قبضہ کی طرف لوٹنا مطلق سابقہ حکم کو باطل نہیں کرتا۔ ہماری (مالکیہ کی) دلیل ﴿فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ ہے۔ پس جب مرھونہ شئ قابض کے ہاتھ سے نکل جائے تو یہ الفاظ نہ لغتاً اس پر صادق آتے ہیں اور نہ ہی حکماً اس پر صادق آتے ہیں۔[۴۵]

مشاع کو رہن رکھنے کا حکم

مشاع (مشترک چیز) سے مراد وہ چیز ہے جس کے ایک سے زیادہ مالک ہوں۔ قبضے کے اندر دوام کی شرط کے حوالے سے یہ مسئلہ زیر بحث آتا ہے کہ آیا مشاع کو رہن رکھا جا سکتا ہے یا نہیں؟

حنفیہؒ کے نزدیک مشاع کو رہن رکھنا جائز نہیں ہے۔ اس کے عدم جواز کے حوالے سے ان کے ہاں درج ذیل دو وجوہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ رہن رکھنے کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مرتہن کو مرہونہ چیز پر ایسا قبضہ (ید استیفاء) حاصل ہو کہ مدت پوری ہونے کے بعد جب بھی چاہے اسے بیچ کر اپنا قرضہ وصول کر سکے جبکہ مشترک چیز میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رہن رکھی جانے والی چیز مکمل طور پر مرہون نہیں ہے بلکہ اس کا کچھ حصہ مرہون ہے اور وہ بھی غیر متعین ہے۔ چونکہ غیر متعین چیز کے ذریعے اپنا حق وصول نہیں کیا جا سکتا اس لیے مشاع چیز کو رہن رکھنا درست نہیں ہے۔

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں:

> ولا يجوز رهن المشاع---- ولنا فيه وجهان: احدها: يبتنى على حكم الرهن، فانّه عندنا ثبوت يد الاستيفاء وهذا لا يتصور فيما يتناوله العقد وهو المشاع۔[۴۶]

> (مشاع چیز کا رہن رکھنا جائز نہیں۔ اور ہمارے نزدیک اس کی دو وجوہات ہیں۔ پہلی دلیل کی بنیاد رہن کے حکم پر ہے، رہن کا حکم ہمارے نزدیک "ید استیفاء" کا ثبوت ہے اور مشاع چیز جس میں باری باری عقد ہوتے ہوں اس میں یہ ممکن نہیں۔)

۲۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ عقد رہن کا تقاضا یہ ہے کہ مرہون چیز مستقل طور پر مرتہن کے قبضے میں رہے تاکہ قرض وصول نہ ہونے کی صورت میں مرتہن اسے بیچ کر اپنا قرضہ وصول کر لے جبکہ مشاع چیز کے اندر مرتہن کو دوامی قبضہ حاصل نہیں ہوتا۔ کیونکہ مشترک چیز کو شرکاء باری باری استعمال کرتے ہیں، جس دن راہن کی باری ہو گی اس دن چیز رہن میں سمجھی جائے گی اور جس دن راہن کی باری نہیں ہو گی اس دن گویا وہ چیز عقد رہن سے نکل جائے گی۔ اس سے رہن کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

وانّما لا یجز لانّ موجب الرهن الحبس الدائم وفی المشاع یفوت الدوام لانّه لا بدّ من المهاباة فیصیر کانّه قال رهنتك یوم دون یوم۔[۴۷]

شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک رہن کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ اگر راہن قرض واپس کرنے سے انکار کردے تو مرتہن اسے فروخت کرکے اپنا قرضہ وصول کرلے۔ اور مشاع چیز کے ذریعے رہن رکھنے کا مقصد حاصل ہوسکتا ہے، لہٰذا اس کا رہن رکھنا جائز ہے۔ قبضے کے معاملے میں جو صورت مشاع کی بیع کے اندر اختیار کی جاتی ہے وہی صورت یہاں بھی اختیار کی جائے گی۔ وہ یہ کہ راہن مرہونہ چیز مرتہن کے حوالے اس طرح کرے کہ کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے۔
چنانچہ امام شافعی لکھتے ہیں:

کلّ ما کان قبضاً فی البیوع کان قبضاً فی الرهن والهبات والصدقات، لایختلف ذالک--- ویجوز رهن الشقص من الدار والشقص من العبد ومن السیف ومن اللؤلؤة ومن الثوب کما یجوز ان یباع هذا کله، والقبض فیه ان یسلم الیٰ مرتهنه لاحائل دونه کما یکون القبض فیه فی البیع۔[۴۸]

(ہر وہ عمل جو بیع کے اندر قبضہ شمار کیا جاتا ہے، رہن، ہبہ اور صدقات کے اندر بھی قبضہ شمار ہوگا، دونوں کے قبضے میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ گھر کے کسی حصے، اسی طرح غلام، تلوار، موتی اور کپڑے کے کسی حصے کو رہن رکھنا جائز ہے اور اس میں قبضہ یہ کہ وہ چیز مرتہن کو اس طرح سپرد کی جائے کہ درمیان میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، جیسا کہ بیع میں قبضہ ہوتا ہے۔)

مالکیہ کے ہاں چونکہ عقد رہن کے واقع ہونے کے لیے قبضہ ضروری نہیں ہے، اس لیے مشاع چیز کو رہن رکھنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بلکہ ان کے ہاں مشاع چیز کو رہن رکھنے کے لیے دوسرے شریک سے اس کی اجازت لینا بہتر تو ہے لیکن ضروری نہیں۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ دردیر لکھتے ہیں:

یصح رهن الجزاء المشاع کنصف وثلث خلافاً لمن قال: لا یصح رهن المشاع ولا هبته ولا وقفه کالحنفیة. ولا یلزم الراهن للجزء المشاع استئذان شریکه إذا لا ضرر علی الشریك لعدم تعلق الرهن بحصته، هذا قول ابن القاسم المشهور، نعم یندب الاستئذان لما فیه من جبر الخواطر[۴۹]

(مشاع حصہ جیسے نصف یا ایک تہائی کو رہن رکھنا جائز ہے جبکہ حنفیہؒ کے ہاں مشاع جزء کو رہن رکھنا، ہبہ کے طور پر دینا اور اسے وقف کرنا صحیح نہیں ہے۔ (جبکہ ہمارے نزدیک) ہبہ کے طور پر مشاع چیز کو رہن رکھنے والے کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اپنے شریک سے اجازت لے، کیونکہ اس میں دوسرے شریک کا کوئی نقصان نہیں، اس لیے کہ اس کا حصہ مرہون نہیں۔ یہی ابن القاسم کا مشہور قول ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ اجازت لے لی جائے کیونکہ اس میں دلوں کی صفائی ہے۔)

مشاع چیز کو رہن رکھنے کے حوالے سے امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک لفظ ﴿مَّقْبُوضَةٌ﴾ اپنے ظاہر اور مطلق ہونے کے ساتھ تقاضا کرتا ہے کہ مشترک شے کو رہن رکھنا جائز ہے، بخلاف امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب کے۔ ان کے نزدیک یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی گھر کا تیسرا حصہ، اپنے غلام اور تلوار کا نصف حصہ بطور رہن رکھے۔ جب دو آدمیوں کا ایک

آدمی پر مال ہو اور وہ دونوں اس میں شریک ہوں، اور آدمی اس کے عوض دونوں کے پاس زمین رہن رکھ دے تو وہ جائز ہے بشرطیکہ دونوں اس پر قبضہ کر لیں۔ ابن منذر نے کہا ہے کہ یہ مشاع چیز کو رہن رکھنے کی اجازت ہے، کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک نصف گھر کا مرتہن ہے۔ ابن منذر نے کہا: مشاع چیز کو رہن رکھنا جائز ہے جیسا کہ اسے بیچنا جائز ہے۔[50]

امام جصاص کہتے ہیں کہ جب آیت کی دلالت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ قبضہ کے بغیر رہن اس حیثیت سے درست نہیں کہ یہ اعتماد اور بھروسے کا ذریعہ ہے۔ اور قبضے کے خاتمے سے رہن کے معنی یعنی اعتماد اور بھروسے کا خاتمہ ہو جاتا ہے، تو اس سے یہ بات واجب ہو گئی کہ ایسی مشترک چیز کا رہن درست نہ ہو جس کے حصہ داروں کے حصے ابھی متعین نہ ہوئے ہوں اور جس کی تقسیم ہو سکتی ہو یا نہ ہو سکتی ہو۔ اس لیے کہ حصہ داروں کے قبضہ کے استحقاق کو واجب اور اعتماد اور بھروسے کو باطل کرنے والا سبب عقد بالرہن کے ساتھ موجود ہے۔ یہ سبب وہ اشتراک ہے جس کی وجہ سے شریکوں کے درمیان قبضے کی باری بدلنے کے اصول کے تحت مرتہن کو کچھ وقت کے لیے قبضہ چھوڑ دینا پڑتا ہے۔ اس لیے ایسی بات کی موجودگی میں رہن درست نہ ہو گا جو رہن کو باطل کرنے والی ہو۔[51]

رہن کے احکامات

۱۔ رہن سے فائدہ اٹھانا

رہن سے فائدہ اٹھانے کے معاملے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں جن کو امام قرطبیؒ نے بھی نقل کیا ہے ۔امام احمد کا قول ہے کہ مرتہن بقدر نفقہ مرہونہ جانور کا دودھ دوہ کر اور اس پر سواری کر کے اس سے نفع اٹھا سکتا ہے۔ اور ابو ثور نے کہا ہے: جب راہن اس پر خرچ کرتا ہے تو پھر مرتہن اس سے نفع نہیں اٹھا سکتا۔ اگر راہن اس پر خرچہ نہ کرے اور اس کو مرتہن کے قبضہ میں چھوڑ دے اور وہی اس پر خرچہ کرے تو اس کے لیے اس پر سوار ہونا اور غلام سے خدمت لینا جائز ہے۔ امام اوزاعی اور لیث کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی، شعبی، ابن سیرین، امام مالک اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ رہن کا منافع اور تاوان اس کے مالک پر ہو گا۔ ابن عبد البر نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ مرہونہ چیز کا دودھ اور اس کی پشت راہن کے لیے ہے۔[52]

امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے کہا ہے کہ رہن رکھوانے والے کا رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ رہن رکھنے کے منافی ہے۔ رہن کا معنی کسی چیز کو دائمی طور پر محبوس کرنا ہے لہٰذا وہ اس سے نفع اٹھانے کا مالک نہیں ہے۔ اسی طرح مرتہن کے لیے رہن سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، حتیٰ کہ اگر غلام رہن ہو تو وہ اس سے خدمت طلب نہیں کرے گا، سواری کا جانور ہو تو اس پر سواری نہیں کرے گا، اگر کپڑا ہو تو اس کو نہیں پہنے گا، مکان ہو تو اس میں سکونت نہیں کرے گا اور مصحف ہو تو اس کی تلاوت نہیں کرے گا۔ ابن حزم نے محلّٰی میں لکھا ہے کہ راہن جس طرح رہن رکھوانے سے پہلے اس سے منافع حاصل کرتا تھا اسی طرح رہن رکھوانے کے بعد بھی اس چیز سے منافع حاصل کرتا رہے گا اور اس سے کسی منفعت کو روکا نہیں جائے گا۔[53]

ابو بکر جصاص کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ﴿ فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ﴾ فرمایا اور قبضے کو رہن کی ایک خصوصیت قرار دیا تو گویا یہ واجب کر دیا کہ قبضے کا حق عقد رہن کو باطل کرنے کا موجب ہے، اس لیے جب راہن یا مرتہن میں سے کوئی بھی دوسرے ساتھی کی اجازت سے اسے اجرت پر کسی کے حوالے کر دے گا تو رہن شدہ چیز رہن کے حکم سے نکل جائے گی

کیونکہ اس صورت میں مستاجر اس قبضے کا مستحق ہو جائے گا جس کی بناپر عقد رہن درست ہوتا ہے۔البتہ عاریت کی صورت میں ہمارے نزدیک یہ بات پیدا نہیں ہوتی کیونکہ عاریت قبضے کے استحقاق کی موجب نہیں ہے۔اس لیے کہ عاریت کے طور پر کوئی چیز دینے والا شخص اس چیز کو جب چاہے اپنے قبضے میں لوٹا سکتا ہے۔[۵۴]

۲۔رہن کی ملکیت کا مسئلہ

رہن کی ملکیت کے معاملے میں امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ رہن مرتہن کی ملکیت میں نہیں آسکتا۔اگر مرتہن شرط بھی لگالے کہ مرہونہ چیز اس کے حق کے عوض اس کی ہو جائے گی اگر اس نے مقررہ مدت تک وہ حق ادا نہ کیا تو نبی کریم ﷺ نے اسے اپنے اس ارشاد کے ساتھ باطل کر دیا ہے کہ لایغلق الرھن (رہن ملکیت میں نہیں آئے گا)۔حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رہن ملکیت میں نہیں آئے گا۔اسی کے لیے اس کے منافع ہوں گے اور اسی پر اس کا تاوان [اخراجات] ہو گا (دار قطنی)۔اسی طرح حضرت سعید بن مسیب کا قول ہے: رہن اسی کے لیے ہے جس نے رہن رکھا ہے،اسی کے لیے اس کے منافع ہیں اور اسی پر اس کا خرچہ ہے۔[۵۵]

جب مرتہن کا مال مرہون پر قبضہ ہو جاتا ہے تو وہ چیز راہن کی ملک میں ہی رہتی ہے صرف مرتہن کے قبضہ میں چلی جاتی ہے۔گویا ملکیت راہن کی ہوتی ہے اور حق قبضہ مرتہن کا۔اسی طرح اگر مرتہن راہن کی اجازت سے مال مرہون پر کچھ خرچ کرے تو راہن پر قرض ہو گا اور اگر بغیر اجازت صرف کرے تو ایک قسم کا احسان ہو گا (قرض نہ ہو گا)۔البتہ امام احمد کا قول ہے کہ ہر صورت میں راہن کے ذمہ قرض ہو گا۔[۵۶]

امام جصاص کہتے ہیں کہ تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ مرتہن مدت گزر جانے کے بعد رہن کا مالک نہیں ہو گا۔ اختلاف صرف رہن کے جواز اور فساد کے متعلق ہے۔حضور ﷺ کے فرمان (لایغلق الرھن) کا مطلب یہ ہے کہ راہن اور مرتہن کی مقرر کردہ شرط کی بنیاد پر مدت گزرنے پر مرتہن رہن کا مالک نہیں ہو گا۔حضور ﷺ نے رہن کو اس صورت میں روکنے کی تو نفی کر دی لیکن اس مشروط رہن کی صحت کی نفی نہیں فرمائی۔جو رہن کے جواز اور شرط کے باطل ہونے کی دلالت کرتی ہے۔[۵۷]

۳۔رہن کا تاوان

امام جصاص ارشاد باری تعالیٰ ﴿فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ﴾ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امانت کے ذکر کو رہن پر عطف کیا ہے،جو اس بات کی دلیل ہے کہ رہن امانت نہیں ہے ۔جب امانت نہیں ہے تو پھر اس کا تاوان بھی بھرنا پڑے گا۔رہن اگر امانت ہوتا تو اس پر امانت کو عطف نہ کیا جاتا کیونکہ ایک چیز کو اس کی اپنی ذات پر عطف نہیں کیا جاتا بلکہ دوسری چیز پر عطف کیا جاتا ہے۔[۵۸]

رہن کے تاوان سے متعلق فقہاء کے اقوال نقل کرتے ہوئے امام جصاص لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا قول ہے کہ رہن کا تاوان ہوتا ہے۔یہ تاوان اس کی قیمت اور قرض کی رقم میں سے جو چیز کم ہو گی اس کی صورت میں ادا کیا جائے گا۔امام شافعی کے بقول رہن امانت ہے اور اس کی ہلاکت کی صورت میں مرتہن پر کسی بھی صورت میں تاوان عائد نہیں ہو گا۔خواہ اس کی ہلاکت ظاہر ہو یا خفیہ یعنی معلوم ہو یا نا معلوم۔امام مالک کا قول ہے کہ رہن کی ہلاکت کا علم

ہو جائے تو وہ راہن کے مال سے ہلاک ہو گا اور مرتہن کے مال سے کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ اگر اس کی ہلاکت کا علم نہ ہو سکے تو وہ مرتہن کے مال سے ہلاک ہو گا اور مرتہن اس کا تاوان بھرے گا۔ امام جصاص لکھتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کا اس پر اتفاق ہے کہ رہن کا تاوان ہوتا ہے۔[۵۹]

۴۔ مقروض آدمی کا رہن رکھنا

اس مسئلے میں امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اس آدمی کا رہن رکھنا جائز ہے جس کے مال کو قرض محیط ہو، جب تک کہ اسے مفلس قرار نہ دے دیا جائے۔ اور مرتہن قرض خواہوں کی نسبت رہن کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ امام مالک اور لوگوں کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے۔[۶۰]

۵۔ دَین رہن رکھنا

امام جصاص کہتے ہیں کہ تمام فقہاء کے نزدیک دَین رہن رکھنا کسی صورت میں بھی درست نہیں ہے۔ امام مالک کے قول کے مطابق یہ صورت جائز ہے کہ ایک شخص اپنے قرضے کی وہ رقم رہن رکھ دے جو کسی کے ذمہ واجب الادا ہے۔ پھر وہ کسی اور شخص سے خریداری کرلے اور قیمت کے بدلے قرض کی اسی رقم کو اس کے پاس رہن رکھ دے جو اس دوسرے شخص کے ذمہ واجب الادا ہے۔ امام جصاص کے نزدیک یہ ایک ایسا قول ہے جس کا امام مالک کے سوا اور کوئی قائل نہیں ہے کیونکہ یہ ارشاد الٰہی ﴿فَرِهَانٌ مَّقْبُوضَةٌ﴾ کی بنا پر فاسد ہے۔ دَین پر قبضہ اس تک درست نہیں ہوتا جب تک وہ دین ہے خواہ یہ دین خود اس پر ہو یا کسی اور پر۔ اس لیے کہ دین ایک ایسا حق ہے جس پر قبضہ درست نہیں ہوتا، قبضہ صرف نقد پر ہوتا ہے۔[۶۱]

امام قرطبیؒ کہتے ہیں ہمارے علماء کے نزدیک جو شے ذمہ میں ہو اس کو گروی رکھنا بھی جائز ہے، کیونکہ وہ بھی مقبوض ہے۔ اور اس کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی مل کر کاروبار کریں اور ان میں سے ایک کا دوسرے کے ذمہ قرض ہو، پس وہ اپنا وہی قرض اس کے پاس رہن رکھ دے جو اس کے ذمہ واجب الادا ہو۔ اور جنہوں نے اس سے منع کیا ہے انہوں نے کہا ہے: کیونکہ اس پر قبضہ کرنا ممکن نہیں ہوتا اور رہن کے لازم ہونے میں قبضہ کرنا شرط ہے اور اس لئے بھی کہ قرض کی میعاد مکمل ہونے کے وقت اس سے حق پورا کرنا ضروری ہوتا ہے اور حق کا استیفا اس کی مالیت سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے عین سے، اور دین میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔[۶۲]

۶۔ رہن سائل (Floating Mortgage)

عصر حاضر میں رہن کی ایک جدید صورت بہت زیادہ متعارف اور مروج ہے جسے رہن سائل (Floating Mortgage) کہا جاتا ہے۔ اس کے اندر راہن مرہونہ چیز مرتہن کے حوالے نہیں کرتا بلکہ صرف اس کے کاغذات مرتہن کو دیے جاتے ہیں، جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ راہن مطلوبہ کاغذات نہ ہونے کی وجہ سے مرہونہ چیز آگے فروخت نہیں کر سکتا اور مقررہ مدت تک قرض واپس نہ ملنے کی صورت میں مرتہن کو مرہونہ چیز آگے فروخت کرنے کا اختیار مل جاتا ہے۔ مثلاً ایک شخص بینک سے قرضہ لیتا ہے اور رہن کے طور پر اپنی گاڑی کے کاغذات بینک کے پاس رکھ دیتا ہے۔ اب راہن گاڑی آگے فروخت نہیں کر سکتا جب تک قرضہ واپس نہ کر دے اور بینک مقررہ مدت تک قرضہ واپس نہ ملنے کی صورت میں گاڑی فروخت کر کے اپنا قرضہ وصول کرنے کا حقدار بن جاتا ہے۔ اس عقد کو "الرهن السائل" کہا جاتا ہے اور

بینک کو ملنے والے حق کو "الذمة السائلة" (Floating charge) کہا جاتا ہے۔ عصر حاضر میں یہ طریقہ بہت عام ہے، حتی کہ اسلامی بینکوں میں بھی اس کی اجازت ہے۔

رہن کی اس صورت کو جائز قرار دینے میں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک رہن کے جواز کے لیے قبضہ شرط ہے لیکن اس صورت میں مرتہن مرہونہ چیز پر قبضہ نہیں کرتا جس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ عقد شرعاً ناجائز ہونا چاہیے۔ حنفیہؒ کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ یہاں قبضے سے مراد " استحقاق قبض " ہے نہ کہ حقیقی وحسی قبضہ۔ جیسا کہ علامہ سرخسی نے " المبسوط " میں اور علامہ عینی نے " البنایہ شرح الھدایہ " میں اسکی تصریح کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احناف نے قبضے کے دوام کو لازمی قرار دینے کے باوجود مرہون چیز راہن کو بطور "عاریت" دینے کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ اس صورت میں مرتہن کا استحقاق ختم نہیں ہوتا۔ رہن کی مذکورہ صورت میں مرتہن کو اس بات کا حق حاصل ہوتا ہے کہ عدم ادائیگی کی صورت میں اسے فروخت کر کے اپنا قرضہ وصول کرلے۔ اس لئے یوں سمجھا جائے گا کہ گویا مرتہن کا اس پر قبضہ باقی ہے خصوصاً جب کہ اس سے وہ مقصد حاصل ہورہا ہے جس کے لیے عقد رہن کیا گیا یعنی عدم ادائیگی کی صورت میں مرہون چیز کو بیچ کر اپنا قرض حاصل کرنا۔

دوسری دلیل یہ دی جا سکتی ہے کہ اس صورت میں اگرچہ مرتہن کو مرہونہ چیز پر حقیقی قبضہ (physical possession) تو حاصل نہیں ہوتا لیکن حکمی قبضہ (constructive possession) حاصل ہو جاتا ہے۔ عصر حاضر میں بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ جن کے اندر مبیع (Sold Good) کے کاغذات کی منتقلی کو قبضہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسے ڈیلیوری آرڈر (Delivery Order) کے کاغذات، جبکہ ان کے ذریعے مبیع کا تعین بھی کیا گیا ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی فیکٹری سے ایک ہزار کاٹن مال خریدتا ہے۔ فیکٹری کے اندر ہزاروں کاٹن مال پڑا ہوا ہے اور ان کے اوپر نمبر بھی لگے ہوئے ہیں۔ اب فیکٹری کی طرف سے بالفرض ڈیلیوری آرڈر جاری ہوتا ہے کہ کاٹن نمبر ۱۰۰۱ تا ۲۰۰۰ فلاں آدمی کا ہے۔ خریدار جب ڈیلیوری آرڈر پر قبضہ کر لے گا تو ان ہزار کاٹنز پر اس کا حکمی قبضہ سمجھا جائے گا۔ کیونکہ اس عمل کے ذریعے کاٹن نمبر ۱۰۰۱ تا ۲۰۰۰ اس کی ضمان میں آجائیں گی۔ لہٰذا اس صورت میں بھی بینک کے پاس مرہونہ چیز کے کاغذات کی موجودگی حکمی قبضہ سمجھی جائے گی۔[۶۳]

" بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة " میں اس موضوع پر قدرے تفصیل سے بحث کی گئی ہے اور اس عقد کے جواز کے لیے درج ذیل دلائل بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ رہن سائل میں اگرچہ مرتہن مرہونہ چیز پر قبضہ تو نہیں کرتا لیکن عام حالات میں وہ اس چیز کی ملکیتی دستاویزات پر قبضہ کر لیتا ہے۔ اس لیے اس بات کا احتمال ہے کہ صرف ان دستاویزات پر قبضہ کرنے سے رہن تام ہو جائے گا اور پھر وہ چیز بطور عاریت کے راہن کے قبضہ میں رہے گی۔

۲۔ رہن پر مرتہن کے قبضے کو شرط قرار دینے کی علت فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ مرتہن ضرورت کے وقت اس کو بیچ کر اپنا دین وصول کرلے۔ مذکورہ رہن سائل میں مرتہن کو قانوناً یہ سہولت حاصل ہوتی ہے کہ وہ ضرورت کے وقت اس کو بیچ کر اپنا دین وصول کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ بات محتمل ہے کہ رہن کی مذکورہ صورت میں حسی قبضہ شرط قرار نہ دیا جائے، اس لیے کہ اس شرط کی بنیاد پر قبضے کا مقصود حاصل ہے۔

۳۔ رہن کا مقصد دین کی توثیق ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ دائن مدیون کی مملوکہ چیز کو اپنے قبضے میں لے لے اور جب تک قرض وصول نہ ہو اس وقت تک اس کو اس کے استعمال سے روک دے۔ لیکن اگر دائن خود اپنے مقصد کے حصول کے لیے اس سے کم پر راضی ہو جائے، یعنی عین مرہون راہن کے قبضے میں رہنے دے اور مرتہن کو صرف مرہون کے ذریعہ اپنا دین وصول کرنے کا حق باقی رہ جائے تو بظاہر شرعاً اس میں کوئی رکاوٹ نظر نہیں آتی۔

۴۔ رہن سائل میں راہن اور مرتہن دونوں کو مصلحت اور فائدہ حاصل ہے۔ راہن کو جو مصلحت اور فائدہ حاصل ہے وہ تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنی چیز کے انتفاع سے محروم نہیں ہونا پڑے گا اور مرتہن کو یہ مصلحت اور فائدہ ہے کہ کسی ضمان کے لزوم کے بغیر اس کے پاس اپنا دین وصول کرنے کا حق محفوظ ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ رہن کی مذکورہ صورت میں اگر راہن مفلس ہو جائے تو دوسرے قرض خواہوں کو ضرر اور نقصان پہنچے گا، اس لیے کہ مرتہن دوسرے قرض خواہوں کے مقابلے میں اس چیز کا زیادہ حق دار ہو گا۔ لیکن دوسرے غرماء کو پہنچنے والا یہ ضرر نہ تو اس وقت شرعاً معتبر ہے جب رہن پر مرتہن کا قبضہ ہو اور نہ اس وقت معتبر ہے جب مرتہن نے رہن پر قبضہ کرنے کے بعد راہن کو بطور عاریت دے دیا ہو۔ اس سے ظاہر ہوا کہ محض اس ضرر سے رہن فاسد نہیں ہوتا۔

۵۔ موجودہ دور کی عالمی تجارات میں جبکہ بائع ایک شہر میں مقیم ہو اور مشتری دوسرے شہر میں، اس وقت مرہونہ چیز پر قبضہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ مرہونہ چیز کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں بڑے اخراجات ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں دین کی توثیق کی رہن سائل کے علاوہ کوئی دوسری صورت نظر نہیں آتی۔[۶۴]

نتائج

مقالہ ہذا سے جو ممکنہ نتائج اخذ ہوتے ہیں ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ رہن سے متعلق مکمل احکام قرآن مجید کی روشنی میں مرتب کرنے کے لیے تمام اہم فقہی تفاسیر سے استفادہ کیا جائے۔

۲۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کا رہن کے بنیاد پر لین دین کرنا ثابت ہے۔

۳۔ رہن رکھوا کر بھی ادائیگی قرض کو یقینی بنانے کی تدبیر سکھائی گئی ہے۔

۴۔ شرعی لحاظ سے قرض لینا جائز ہے۔ لیکن مستقبل میں ادائیگی کے امکانات بھی ہونے چاہیں۔ اور وہ رہن کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔

۵۔ مقالہ ہذا میں موجود فقہی آراء کی بنیاد پر کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے فقہاء کے درمیان اختلافات معمولی درجے کے ہیں اور اکثر مسائل میں ان کے درمیان اتفاق پایا جاتا ہے۔

سفارشات

مقالہ ہذا کی روشنی میں مندرجہ ذیل سفارشات دیے جا سکتے ہیں:

۱۔ قرض سے متعلق جدید مسائل کا حل نکالنے کے لیے فقہی تفاسیر اور قرآن مجید کی متعلقہ آیات پر غور و فکر کر کے احکام مرتب کیے جائیں تا کہ امت جدید چیلنجز سے نبرد آزما ہو سکے۔
۲۔ مقالہ ہذا کی روشنی میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جدید مسائل کا حل بھی قرآن مجید اور سنت رسول میں موجود ہے، ضرورت صرف ان پر غور و فکر کرنے کی ہے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ بلیاوی، مولانا عبدالحفیظ، مصباح الغات، ص: ۳۲۰، مکتبہ فارقلیط، لاہور، س ن

۲۔ محولہ بالا

۳۔ المدثر: ۳۸

۴۔ الزحیلی، ڈاکٹر وھبۃ، الفقہ الاسلامی وادلتۃ (ترجمہ: اردو)، ج: ۶، ص: ۱۸۰، مترجم: مولانا محمد یوسف تنولی، دارالاشاعت، کراچی، ستمبر ۲۰۱۲ء

5۔ صمدانی، ڈاکٹر اعجاز احمد، مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ص: ۲۳۸، ادارۃ المعارف، کراچی، جنوری، ۲۰۰۷ء

۶۔ الزیلعی، امام فخر الدین عثمان بن علی، تبیین الحقائق، ج: ۷، ص: ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول: ۱۴۲۰ھ

۷۔ السرخسی، شمس الائمۃ ابو بکر محمد بن احمد بن ابو سہیل، کتاب المبسوط، ج: ۲، ص: ۶۳، **دار المعرفة**، بیروت، طبع اول: ۱۴۱۴ھ

۸۔ البقرہ: ۲۸۳

۹۔ البیہقی، ابو بکر احمد بن الحسین، السنن الکبری للبیہقی، کتاب الرھن، باب: **جواز الرهن**، ج: ۶، حدیث نمبر: ۱۱۵۲۲، ناشر: دائرۃ المعارف النظامیہ الکائنہ، حیدر آباد (انڈیا)، طبع اول، ۱۳۴۴ھ

۱۰۔ بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، کتاب الاستقراض، باب: **من اشترى بالدين وليس عنده ثمنه او ليس بحضرته**، ج: ۲، حدیث نمبر: ۲۲۵۶، ناشر: دار ابن کثیر، طبع سوم، ۱۹۸۷ء

۱۱۔ القرطبیؒ، ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابو بکر، تفسیر قرطبیؒ (اردو)، ج: ۲، ص: ۴۸۴، مترجم: ادارہ ضیاء المصنّفین، ناشر: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، طبع اول، اکتوبر ۲۰۱۲ء

۱۲۔ الجصاص، ابو بکر احمد بن علی الرازی، احکام القرآن (اردو)، ج: ۲، ص: ۵۴۰-۵۳۹، مترجم: مولانا عبد القیوم، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، سن اشاعت: دسمبر ۱۹۹۹ء

۱۳۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج: ۶، ص: ۴۸۵

۱۴۔ محولہ بالا، ج: ۶، ص: ۴۸۷

۱۵۔ محولہ بالا، ج: ۶، ص: ۴۹۰

۱۶۔ محولہ بالا، ج: ۶، ص: ۴۹۱

۱۷۔ محولہ بالا، ج: ۶، ص: ۴۹۴

۱۸۔ صمدانی، مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ص: ۲۴۷

۱۹۔ ابن قدامہ، موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد، المغنی، ج: ۴، ص: ۲۶۱، ناشر: مکتبۃ القاہرہ، ۱۹۶۸ء

۲۰۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج: ۶، ص: ۴۹۴

۲۱۔ محولہ بالا، ج: ۶، ص: ۴۹۶

۲۲۔ محولہ بالا، ج: ۶، ص: ۴۹۷

۲۳۔ صمدانی، مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ص: ۲۴۸

۲۴۔ محولہ بالا، ص: ۲۴۸

۲۵۔ محولہ بالا، ص: ۲۴۹

۲۶۔ الشیرازی، امام ابو اسحاق، المھذب، ج: ۲، ص: ۸۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت، س ن

۲۷۔ جیون، ملا محمد، تفسیرات احمدیہ (اردو)، ص: ۲۷۹-۲۷۸، مترجم: مفتی محمد شرف الدین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء

۲۸۔ القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج: ۲، ص: ۴۸۸-۴۸۷

۲۹۔ الجصاص، احکام القرآن جصاص، ج: ۲، ص: ۵۴۱

۳۰۔ القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج: ۲، ص: ۴۸۸

۳۱۔ الجصاص، احکام القرآن جصاص، ج: ۲، ص: ۵۴۵-۵۴۷

۳۲۔ ابن نجیم، زین الدین بن ابراھیم، البحر الرائق شرح کنزالدقائق، ج: ۸، ص: ۴۳۰، دار اکتب العلمیہ، بیروت، ۱۳۱۸ھ

۳۳۔ صمدانی، مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ص: ۲۵۲

۳۴۔ الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، ج: ۶، ص: ۱۳۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۹۷۴ء

۳۵۔ ابن قدامہ، المغنی، ج: ۴، ص: ۲۴۷

۳۶۔ الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، ج: ۶، ص: ۵۰۰

۳۷۔ شافعی، محمد بن ادریس، الام، ج: ۷، ص: ۳، دار قتیبہ، بیروت، طبع اول: ۱۴۱۶ھ

۳۸۔ القرافی، شھاب الدین احمد بن ادریس، الذخیرہ، ج: ۸، ص: ۱۲۴، دار الغرب الاسلامی، بیروت، طبع اول، ۱۹۹۴ء

۳۹۔ المرغینانی، ابو الحسن علی بن ابی بکر، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الرھن، ج: ۴، ص: ۴۱۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، س ن

۴۰۔ عثمانی، مولانا تقی، بحوث فی قضایا فقھیۃ معاصرۃ، ص: ۴۹، دار القلم، دمشق، ۱۹۹۸ء

۴۱۔ المرغینانی، الھدایۃ شرح بدایۃ المبتدی، کتاب الرھن، ج: ۴، ص: ۴۱۳

۴۲۔ الزیلعی، تبیین الحقائق، ج: ۷، ص: ۸۸

۴۳۔ الشلبی، محمد، حاشیۃ تبیین الحقائق، ج: ۷، ص: ۱۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت، طبع اول: ۲۰۰۰ء

۴۴۔ابن قدامہ،المغنی، ج: ۴، ص: ۲۴۹

۴۵۔القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج: ۲، ص: ۴۸۷

۴۶۔سکروڈھوی، مولانا جمیل احمد، اشرف الھدایۃ، ج: ۱۴، ص: ۲۰۴، مکتبہ دارالاشاعت، کراچی، مئی ۲۰۰۶ء

۴۷۔الشامی، ابن عابدین، رد المختار، ج: ۱۰، ص: ۹۷، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، س ن

۴۸۔شافعی، الام، ج: ۷، ص: ۱۶

۴۹۔الدردیر، ابوالبرکات احمد بن احمد، شرح الصغیر، ج: ۳، ص: ۳۰۷، دارالمعارف، مصر، س ن

۵۰۔القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج: ۲، ص: ۴۸۸

۵۱۔الجصاص، احکام القرآن جصاص، ج: ۲، ص: ۵۴۳

۵۲۔القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج: ۲، ص: ۴۹۰-۴۸۹

۵۳۔عینی، بدر الدین، عمدۃ القاری، ج: ۱۳، ص: ۴۷-۴۳، مطبوعہ: ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ

۵۴۔الجصاص، احکام القرآن جصاص، ج: ۲، ص: ۵۶۸-۵۶۴

۵۵۔القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج: ۲، ص: ۴۹۱

۵۶۔پانی پتی، قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری (اردو)، ج: ۲، ص: ۱۰۰-۹۹، مترجم: عبدالدائم جلالی، ناشر: خزینہ علم وادب، لاہور، س ن

۵۷۔الجصاص، احکام القرآن جصاص، ج: ۲ ص: ۵۶۷

۵۸۔محولہ بالا، ج: ۲، ص: ۵۴۹

۵۹۔محولہ بالا، ج: ۲، ص: ۵۵۱-۵۴۹

۶۰۔القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج: ۲، ص: ۴۹۲

۶۱۔الجصاص، احکام القرآن جصاص، ج: ۲، ص: ۵۴۵

۶۲۔القرطبیؒ، تفسیر قرطبیؒ، ج: ۲، ص: ۴۸۹-۴۸۸

۶۳۔صمدانی، مالی معاملات پر غرر کے اثرات، ص: ۲۶۸-۲۶۵

۶۴۔عثمانی، بحوث فی قضایا فقھیۃ معاصرۃ، ص: ۲۱، ۲۲